جرنل آف ریسرچ (اُردو)

فیکلٹی آف لینگویجز اینڈ اسلامک سٹڈیز

شمارہ ۳۰ ISSN. 1726–9067 دسمبر ۲۰۱۶ء

کیٹیگری 'Y' ہائر ایجوکیشن کمیشن

شعبہ اُردو
بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
Web Site: www.bzu.edu.pk

ترتیب

۱ سندھ یونیورسٹی جامشورو کے اساتذہ کی اردو خدمات (قیام سے ۱۹۷۰ء تک) ۱
تسنیم فاطمہ/ ڈاکٹر محمد یوسف خشک

۲ شدت پسندی کے خلاف مزاحمت کی ایک بلیغ علامت: رشید جہاں ۱۹
ڈاکٹر شاہد اقبال کامران/ ڈاکٹر نورینہ تحریم بابر

۳ مغرب کے افسانوی ادب میں نفسیاتی عوارض کا اظہار: چند نمائندہ مثالیں ۲۷
ڈاکٹر خالد محمود سنجرانی

۴ امرتا پریتم: محبت کا غنائی اِستعارہ ۴۳
ڈاکٹر طاہرہ اقبال

۵ منیر نیازی کی کتابوں کے ناموں کا عصری جواز ۴۹
ڈاکٹر فرحت جبیں ورک

۶ پاکستان میں اردو تحقیق کی روایت ۵۹
محمد رمضان/ ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر

۷ اُردو فکشن کی پہلی نمایاں رومانوی نسائی آواز: حجاب امتیاز علی تاج ۶۷
ڈاکٹر عذرا پروین/ ڈاکٹر لیاقت علی

۸ عزیز احمد کی شاعری: ایک مطالعہ ۷۵
ڈاکٹر طارق محمود

۹ اردو میں سیاحتی وارضیاتی ادب کا ایک نادر نمونہ۔شمالی پاکستان: توضیحی مطالعہ ۸۳
ڈاکٹر نورینہ تحریم باہر

۱۰ فیضؔ کا منفرد تنقیدی اُسلوب ۹۳
سید ارتضا حسن/ ڈاکٹر صوفیہ یوسف

۱۱ احسن فاروقی کے ناول ''شامِ اودھ'' میں سوانحی اشارے ۱۱۵
سید عبدالعزیز بخاری/ ڈاکٹر روبینہ رفیق

۱۲ ’’کاروانِ وجود‘‘: تجزیاتی مطالعہ ۱۲۳
ڈاکٹر حمیرا اشفاق
۱۳ اقبال اور مغرب کا تصورِ کلچر (سپنگلر اور ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ کے خصوصی حوالے سے) ۱۳۱
ڈاکٹر صفیہ عباد
۱۴ ’’مینا بازار‘‘: تاریخ کی مذہبی تعمیر ۱۴۵
ڈاکٹر محمد نعیم
۱۵ ڈاکٹر سلیم اختر کی تنقید اور عصری شعور ۱۵۳
محمد امجد عابد/ عاشق حسین
۱۶ ’’نقوش‘‘ کا منٹو نمبر ۱۶۱
ڈاکٹر اقصیٰ نسیم سندھو
۱۷ پاکستانی سیاست کے دو نسوانی کردار: خود نوشت کے آئینے میں (بے نظیر بھٹو اور عابدہ حسین) ۱۶۹
ڈاکٹر لبنیٰ نصیر
۱۸ ’’پو کے مان کی دنیا‘‘ (معاصر عہد کے چیلنجز کا اِظہار) ۱۷۹
ڈاکٹر مظہر عباس
۱۹ سقوطِ مشرقی پاکستان اور اردو ناول ۱۸۷
ڈاکٹر رانی صابر علی
۲۰ اردو دوہے کی روایت میں عرش صدیقی کی انفرادیت ۱۹۹
ڈاکٹر وسیم عباس
۲۱ رشید امجد کے افسانوں میں وجودی عناصر کا تجزیاتی مطالعہ ۲۰۹
غزل یعقوب
۲۲ ڈاکٹر جمیل جالبی بحیثیت مترجم ۲۱۷
سمیرا انجم/ ڈاکٹر روبینہ ترین
۲۳ احمد ندیم قاسمی کے افسانے: تانیثی تناظر میں ۲۲۵
ڈاکٹر عقیلہ بشیر

۲۴ سرائیکی وسیب میں اُردو کے ابتدائی نمونے ۲۳۳
محمد اجمل مہار/ ڈاکٹر قاضی عبدالرحمٰن عابد

۲۵ اردو میں میر شناسی کی روایت: مابعد تذکرہ نگاری ۲۴۳
ڈاکٹر محمد ساجد خان

۲۶ عصمت چغتائی کی افسانہ نگاری میں تہذیبی، تاریخی اور سیاسی شعور کا اظہار ۲۵۷
ڈاکٹر فرزانہ کوکب

۲۷ ملوہہ اور دلمون ــــــ چاند کی دھرتی (سومیری، دراوڑی اور آریائی مذہبی اساطیر: ایک مشترک ماخذ) ۲۶۷
ڈاکٹر سید صفدر حسین

۲۸ ''قبض زماں'': تنقیدی و تحقیقی جائزہ ۲۷۵
امجد جاوید

۲۹ رشید احمد صدیقی کا خاکہ ''ذاکر صاحب'' ۲۸۷
ڈاکٹر محمد رحمان

۳۰ نقدِ نذیر احمد، مطبوعہ کتب کی روشنی میں ۲۹۷
ڈاکٹر سجاد نعیم

۳۱ Lexical Borrowing: An Analysis of "Daily Dawn" and "The Nation" ۳۰۹
حرا علی/ علی حسن/ حنا علی

○○○

۱۲۳
۱۳۱
۱۴۵
۱۵۳
۱۶۱
۱۶۹
۱۷۹
۱۸۷
۱۹۹
۲۰۹
۲۱۷
۲۲۵

''مینا بازار'': تاریخ کی مذہبی تعمیر

ڈاکٹر محمد نعیم*

Abstract:

Identity is a cultural construction. Literary genres also take part in this process. In novel, characters' particular traits are selected and their actions' interpreted by the writer in their cultural context. Even the historical novel is no exception. While presenting the historical persons the selection and interpretation are derived from contemporary culture. This article analyses Abdul Haleem Sharar's Meena Bazar in constructionist perspective. It takes account of the characterization and representations in constructing communal identity in Sharar's text.

شناخت (Identity) کے مطالعے کا سماجی سائنس میں ایک طریقہ تعمیریت (Constructionist) ہے۔ اس طرزِ مطالعہ کا ماننا ہے کہ شناخت بنی بنائی، قدیم سے موجود کوئی شے نہیں، یہ ایک تعمیر ہے۔ اس کی سماجی عمل اور ثقافتی معانی کے اندر تشکیل ہوتی ہے۔ شناخت انسانوں کے میل جول، سماجی حیثیت کے حصول اور سیاسی قوت یا اختیار حاصل کرنے کے لیے کی جانے والی جدوجہد کے دوران صورت پذیر ہوتی ہے۔ یہ طریقِ مطالعہ اس مفروضے پر مبنی ہے کہ انسانی سماجیت اور سیاست، اجتماعی شناخت کو منسلک کرنے والی ثقافتی تعمیر سے ظاہر ہوتی ہیں اور اسی کے نتیجے میں فروغ پاتی ہیں۔(۱) شناخت ایک ثقافتی تعمیر (Cultural Construction) ہے۔ ثقافتی ہونے کے سبب یہ اجتماعی ہوتی ہے۔ شناخت سے یہاں وہ منفرد حیثیت مراد ہے جو کوئی شخص یا انسانی گروہ دیگر انسانوں یا انسانی گروہوں کے بالمقابل اپنی قائم کرتا ہے۔

ثقافتی معنی کا قیام اور استحکام مشترک اور اجتماعی ہونے میں مضمر ہے۔ جب تک معانی پر اجتماع کا اتفاق

* شعبہ اُردو، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا

نہیں ہوتا، یہ متعین ہونے سے بھی محروم رہتا ہے۔ شناخت انفرادی ہو یا اجتماعی، ثقافت کے اندر، افراد کے عمل دخل اوران کے باہمی میل جول سے متشکل ہوتی ہے۔ افراد کے درمیان سماجی و سیاسی ہم آہنگی اور میل جول اسی اجتماعی شناخت (Collective Identity) سے پرداخت حاصل کرتے ہیں۔ جب کسی ایک سماج کے اندر پائے جانے والے گروہ اپنے اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے مختلف حکمتِ عملیاں اپناتے ہیں تو اسی دوران وہ مختلف علامتوں، ہم آہنگیوں، مطابقتوں اور مخالفتوں کے ذریعے اپنی سماجی اور سیاسی حیثیت کا تعین کرتے ہیں۔ اس تعین سازی سے 'ہم' اور 'وہ' کا انتخاب ہوتا ہے۔ یہ علامتیں ہی مختلف افراد کو اپنے قریب لانے، اپنے گروہ میں شامل کرنے یا کسی کو گروہ سے نکالنے کا سبب بنتی ہیں۔ یوں شناخت کے عمل میں ان علامتوں کا کردار اہمیت حاصل کر جاتا ہے۔

شناختی تشکیل کی تفہیم میں شرر کا تاریخی ناول مینا بازار (۱۹۲۵ء) ہماری مدد کرتا ہے۔ تاریخ کی باز تشکیل کے دوران شرر نے جن سوالات کو اٹھایا اوران کے جوابات کے نتیجے میں کرداروں کے مکالمے اوران کی مجموعی تصویر کو جس طرح پیش کیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سوالات ان کے اپنے دور سے متعلق ہیں۔ مینا بازار، جسے خواتین کا بازار کہنا چاہیے، وہ مرکزی نکتہ ہے جس کے گرد شرع، فقہ، شاہی محل کا دیوانِ عام وخاص اور بادشاہ وامرا کے باہمی تعلقات کا جال بُنا گیا ہے۔ اس بُنت کے دوران شناخت کو واضح اور متعین کرنے کے لیے شرر نے مخصوص علامتوں کو استعمال کیا ہے۔

ناول شناخت کے جوہری روپ کو پیش کرتا ہے۔ اس روپ کے مطابق ہر انسان کی ایک متعین شناخت ہوتی ہے جو پیدائش کے ساتھ ہی معین ہو جاتی ہے۔ اس کی عمر، تجربہ، مشاہدہ، حالات کچھ بھی اس پر اثر نہیں ڈالتے۔ انسان جس خاص گروہ کے اندر پیدا ہوتا ہے، وہی اس کی شناخت کی اساس ہے۔ انیسویں صدی کے کلامیے سے تعمیر ہونے والی گروہی شناختوں کو یہ ناول لگ بھگ تین صدیاں قبل کے برعظیم میں بھی موجود تصور کرتا ہے۔ انگریزوں سے بچ بچا کے اپنی تاریخ کے ان حصوں کو اجاگر کرنا جو ان کے بغیر مکمل تھے، نفسیاتی اعتبار سے اہم ہے۔ لیکن تاریخ کی تعمیر میں انھی کے بنائے ہوئے کلامیے کے اندر رہنا، اس نفسیاتی حربے کو تناقضات سے دوچار کرتا ہے۔ ناول میں یہ طے کر لیا گیا ہے کہ بیسویں صدی کے برعظیم میں موجود آبادی کی گروہی تقسیم عین مین اسی صورت صدیاں پیش تر بھی موجود تھی۔ بادشاہ ہو یا رعایا، سب کی پہچان کا اولین ذریعہ مذہب ہے۔ وہ پیمانہ جسے استعماری دور میں مردم شماری کی رپورٹوں میں معیار بنایا گیا،(۲) وہی پیمانہ شناختی وضع بن کر شرر کے ناول میں تاریخ کی تشکیل کے دوران میں موجود ہے۔

شاہ جہاں جب اکبر کے عہد میں بنائے گئے مینا بازار کو دوبارہ جاری کرنے کا اعلان کرتا ہے تو درباریوں

اور عوام میں اس حوالے سے بحث چل نکلتی ہے۔ امرا میں سے ایک شخص اکبر کی ہندو مسلم میل جول کی پالیسی کے حوالے سے ایک دلچسپ توضیح پیش کرتا ہے:

> ''افضل خان: اور اس میں بہت اندرونی اور گہرا راز یہ تھا کہ کوئی مسلمان چاہے ہندوؤں کی کتنی ہی رسمیں اختیار کر لے اور ان کے طریقوں پر چلنے لگے، ہندو نہیں ہو سکتا، بخلاف اس کے ہندو جب مسلمانوں سے ملے گا اور ان کی وضع اختیار کرے گا، خواہ مخواہ مسلمان ہو جائے گا۔ [...] لہٰذا اس میں ذرا شک نہیں کہ دونوں گروہوں میں جتنا میل جول بڑھتا جائے گا، اس قدر مسلمانوں کا شمار زیادہ ہوتا جائے گا۔ لہٰذا میرے خیال میں، ان باتوں میں حضرت عرش آشیانی [اکبر] کا اصلی مقصد اشاعتِ اسلام تھا۔''(۳)

اس اقتباس میں پہلی قابلِ توجہ بات سیاسی حکمتِ عملی کو مذہبی اصطلاحوں میں دیکھنے کی ہے۔ دوسری شناختوں کو جامد اور متعین سمجھنے کی، تیسری بات 'شمار' کا سوال ہے۔ یہ سوال تو واضح طور پر 'ووٹ' کے تصور سے جڑا ہے۔ مغلیہ عہد میں سیاسی حکومت، بادشاہ، خدا کا نمائندہ جیسے مابعد الطبیعاتی اور فوج کی بنیاد پر اپنا رسوخ ثابت کرنے کے مادی اصول پر کھڑی تھی۔ اس دور میں کسی گروہ کی تعداد سے زیادہ اہم ان کی استعداد تھی۔ ہندوستان میں اقلیت اکثریت کا جھگڑا تو انگریزی دور میں مردم شماری اور حکومتی ڈھانچے میں آبادی کے تناسب سے شمولیت جیسی پالیسیوں کے بعد ہی سامنے آیا۔ جب سیاسی عمل میں گروہی شناخت نے اہمیت حاصل کر لی، اسی کے بعد کسی ضلعے، علاقے یا صوبے میں کسی گروہ کا 'شمار' اہمیت حاصل کر گیا۔ شاہ جہاں کے دور کی مصوری میں شرر نے اپنے عہد کے رنگوں کا استعمال کیا ہے۔ مغلیہ عہد میں اقلیت ہونے کے باوجود مسلم اشرافیہ ہی اقتدار کی مالک تھی، تب اقتدار کی بنیاد تعداد نہیں تھی۔ شناخت کے حوالے سے ایک اور اہم بات اپنے گروہ کے ضمن میں پائی جانے والی حساسیت ہے۔ اس تعبیر کا پیدا ہونا ہی یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اب بادشاہ کا ہر عمل 'اپنے' 'گروہ' کے تناظر میں دیکھا اور سمجھا جا رہا ہے۔ افضل خان کے لیے اکبر کا کوئی عمل سیاسی حکمت، انتظامی پالیسی یا ذاتی رائے پر اساس نہیں رکھتا۔ اس کی نظر میں بادشاہ کے ہر عمل کا مقصد 'اپنے' گروہ کی تعمیر تھا۔ اکبر کی جس حکمت عملی کو گروہی شناخت کے حامیوں کی طرف سے مذمت کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے، اس کی توجیہہ شرر نے ایک مختلف انداز میں کی ہے۔ بظاہر یہ ایک نئی طرح ہے لیکن اگر غور کریں تو یہ اُسی اعتراض کا جواب ہے جو معترضین کو مطمئن کرنے والا ہے۔ یوں یہ جواب اس گروہی شناخت کو عین مین تسلیم کرتا ہے، یہاں فرق محض تعبیر کا ہے۔ بادشاہ کے ہر عمل کو خاص اپنے گروہ کی فلاح کے تناظر میں دیکھنا، اس اعتراض کو تسلیم کر کے پالیسی کی وضاحت اس کے مطابق تعبیر کرنا ہے۔

مختلف قومیتوں کے درمیان آزادانہ میل جول کی جس حکمت عملی کے ضمن میں خاص طور پر اکبر کا نام لیا جاتا ہے، اس سے تاثر ابھرتا ہے کہ شاید وہ پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس نے مقامی آبادی کے ساتھ انتظامی مفاہمت سے آگے بڑھ کر تعلقات قائم کیے۔ حالانکہ اس نوعیت کے تعلقات کی مثالیں اکبر سے تین صدیاں پہلے تیرھویں صدی میں بھی مل جاتی ہیں۔ بلبن کے بڑے بیٹے خان محمد کی شادی پنجاب کے ایک مقامی سردار رائے کالو کی بیٹی سے ہوئی۔ علاؤالدین خلجی کے دور میں دیپال پور کے مقام پر منگولوں کی پیش قدمی روکنے کے لیے تعینات غازی ملک نے اپنے بھائی رجب کی شادی رانا مل بھٹی کی بیٹی سے کی۔ (۴) یہ شادیاں سیاسی حکمتِ عملی اور سماجی نفوذ کی مثال ہیں۔ اس نفوذ کی بہترین مثال تو سوہنی مہینوال کا قصہ ہے جس میں مغل شہزادے اور دیسی خاتون کے عشقیہ قصے کو مقامی ادبی روایت میں کلاسیک کا درجہ مل گیا ہے۔ لیکن شرر کی نظر سے دیکھیں تو یہ اثر ونفوذ 'مسلم اور ہندو' میل جول ہے۔ دیسی ثقافت تمام کی تمام ہندو ہے اور عربوں، ایرانیوں، افغانیوں، ترکوں اور مغلوں کی روایت تمام کی تمام اسلامی ہے۔ یہ شناخت سازی کا عمل ہے جس کے زیر اثر بننے والے اذہان اسے 'حقیقت' تصور کرتے ہیں۔ سماجی مطالعات میں اب تاریخ کا مطالعہ ان جوہری شناختوں سے ہٹ کر کرنے کا رجحان پیدا ہوا رہا ہے۔ (۵)

مینا بازار کی تعمیر میں اکبر کے پیشِ نظر کیا حکمت عملی تھی، اسے بھی ایک اور امیر سعداللہ خان کی زبانی یوں بیان کیا گیا ہے:

> ''اس میں ان کا مقصد یہ تھا کہ پردے میں رہنے والے عورتیں جو دنیا و مافیہا سے بے خبر ہیں اور قیدیوں کی طرح اپنے گھروں میں اکیلی پڑی رہتی ہیں، ایک دوسرے سے ملیں جلیں۔ زمانے اور حالاتِ زمانہ سے واقف ہوں۔ ہندو مسلمان عورتیں جو الگ تھلگ رہتی ہیں آپس میں مل جل کے ایک دوسرے کے اوضاع واطوار اختیار کریں۔ مسلمان خاتونیں ہندو عورتوں کی شوہر پرستی و خود فراموشی سیکھیں اور ہندو عورتیں، مسلمان بیویوں سے شائستگی، خوش اخلاقی، وضعداری اور سلیقہ شعاری کا سبق لیں۔''(۶)

اس بیان میں مضمر (Implied) کئی باتیں قابلِ غور ہیں۔ خواتین کو بھی 'دنیا و مافیہا' سے باخبر ہونا چاہیے، یہ شرفا میں ایک نیا خیال تھا جو ۱۸۵۷ء کے بعد اصلاحی تحریکوں کے نتیجے میں سامنے آیا۔ یہ سوال بچوں کی تربیت سے جڑا تھا جس کی طرف اوّل اوّل انگریزوں نے توجہ دلائی۔ ہندوستانیوں نے اس حوالے سے اپنے اپنے نقطۂ نظر پیش کیے جن میں اردو کے حوالے سے زیادہ معروف نقطہ نظر مسلم اشراف خواتین کا گھر پر تعلیم حاصل کرنا ہے۔ (۷) شرر کا یہ ناول بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں سامنے آیا ہے۔ اب خواتین کی نئی موضوعیت

(Subjectivity) قائم ہو رہی ہے۔ دنیا اور جو کچھ اس میں موجود ہے، اسے سمجھنے کی ضرورت اگر مردوں کو ہے تو اس سے عورتیں بھی اب مستثنیٰ نہیں رہیں۔ دنیا اور اس میں کیا کچھ ہے جسے خواتین کو جاننا ہے جو اُن کے لیے مفید ہے، اِن بیانات سے اس کی حدود بھی متعین ہو جاتی ہیں۔ سب سے پہلے تو خواتین کو دو بڑی شناختیں دی گئی ہیں۔ دوسرے یہاں فرض کر لیا گیا ہے کہ ان کا باہمی میل جول مینا بازار کی تعمیر سے پہلے بالکل نہیں تھا۔ شناخت سازی میں دو بڑے گروہوں سے تعلق رکھنے والی خواتین کی خصوصیات میں بھی امتیاز ملحوظ رکھا گیا ہے۔ نمائندگی کے ذریعے پہلے خواتین کو گروہوں میں بانٹا گیا، پھر ان گروہوں کی علیحدہ علیحدہ خصوصیات کا تعین بھی کر لیا گیا۔ ان بیانات میں یہ بھی مضمر ہے کہ 'مسلمان' خواتین میں ایسی کوئی بھی عورت شامل نہیں جو ہندوستانی ہو اور اس نے اسلام قبول کیا ہو۔ اگر کوئی ایسی عورت 'مسلم' خواتین میں شامل ہوتی تو اس کے لیے 'ہندو' رسم و رواج اور عادات و اقدار اجنبی نہ ہوتے۔ اس تصویر سے یہی بر آمد ہوتا ہے کہ شرر کے پیشِ نظر صرف غیر ہندوستانی 'مسلم' خواتین ہیں۔ اس تعبیر میں شرر کو رعایت دی جا سکتی تھی، اگر وہ یہاں صرف شاہی خاندان کی عورتوں کا ذکر کرتے تاہم 'مسلمانوں' اور 'ہندوؤں' کی خواتین کے لیے بنائے گئے اس مینا بازار کے بیان سے یہ رعایت نہیں دی جا سکتی۔ اگر تانیثی اعتبار سے دیکھا جائے تو سعد اللہ نے ہندو مسلم ہر دو طرح کی خواتین کے لیے جو معیارات قائم کیے، وہ سرتا سر مردانہ ہیں۔ عورتوں سے انھیں خود فراموشی اور شوہر پرستی کی خواہش ہے۔

شناخت کو مذہبی بنانے کا عمل مزید اس وقت گہرا ہوتا ہے جب بادشاہ کا ہر عمل انھی اصطلاحات میں زیرِ بحث آتا ہے۔ یہاں محض بادشاہ کے احکام یا اعمال تک ہی اس تناظر میں نہیں دیکھے جاتے، ہر انفرادی اور اجتماعی فعل اسی آئینے میں انعکاس پاتا ہے۔ ماضی کی اس تشکیل میں شرر نے بادشاہ کے حکم پر شہر بھر میں ہونے والے مباحث کو درج کیا ہے۔ یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ انتخاب شرر نے کیا ہے۔ وہ کسی عہد کی اگر ''عکاسی'' بھی کر رہے ہیں تو اس عہد کا انتخاب، عہد کے مسائل کا چناؤ، کرداروں کے سوچنے اور بولنے کا تعین اور ان کے اعمال و افعال کی تعبیر بہر کیف شرر کے 'شعور' نے کی ہے۔ اس لیے یہ 'عکاسی'، ان کی چھاپ لیے ہوئے ہے۔ کسی 'حقیقت' کو ظاہر نہیں کر رہی بلکہ اسے تعمیر کر رہی ہے۔ بادشاہ کے احکامات پر جاری بحث و تمحیص جدید عہد (Modern) کی یادگار ہے۔ جب لوگوں کی آرا بھی حکومتی عمل سے اثر لیتی ہیں اور اس پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہ 'پبلک' کے بننے کا عمل ہے جو اردو میں انیسویں صدی میں نمایاں طور پر صورت پذیر ہوا۔ اس ذیل میں اخبارات و رسائل میں مختلف معاملات پر ہونے والی بحثیں پبلک کی تشکیل میں اہم ہیں۔ جب ہر 'قومی' اور 'اہم' مسئلے پر خواندہ (برِعظیم کے تناظر میں ناخواندہ بھی) پبلک رائے دیتی ہے۔ اسے سمجھنے اور اپنے ادراک کا حصہ بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ اپنی بحثوں کے ذریعے حکومت

پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتی ہے۔(۸) شرر نے اس جدید سرگرمی کو قبل جدید (Pre-Modern) عہد میں دکھایا ہے۔ یہاں ماضی کی تعمیر 'آج' کے آئینے میں ہوئی ہے۔ مینا بازار کی تعمیر کے حوالے سے جیسے ہی شاہ جہاں اعلان کرتا ہے، شہر بھر میں بحث چھڑ جاتی ہے کہ اس سے مذہب کو کوئی خطرہ تو نہیں۔ اس بحث میں مرکز مذہب ہی رہتا ہے کہ بادشاہ کے کسی اقدام سے اس کی خلاف ورزی تو نہیں ہو رہی۔ اگر بادشاہ کسی امر میں علما سے مختلف رائے رکھتا ہے تو اسے مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی رائے سے رجوع کرے تاکہ ''علما میں تفرقہ'' نہ پڑے۔ اب 'علما' کی نئی حیثیت ابھرتی ہے۔ مذہب کے حوالے سے ان کی حیثیت ناطق کی دکھائی گئی ہے۔ ان کی تعبیر کو ہی عین مذہب قرار دیا گیا ہے۔ ان کے درمیان تفرقے سے ''شرع شریف میں رخنہ'' پڑنے کا اندیشہ ہے۔ اس ذیل میں یہ دلیل بھی ایک 'ملا صاحب' پیش کرتے ہیں کہ ''العامی لا مذہب لہ'' یعنی عام آدمی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ اگر عوام مذہب سیکھنا یا اس پر عمل کرنا چاہتے ہیں تو وہ علما کے محتاج ہیں۔ وہ علما کی پیروی پر مجبور ہیں۔ ملا اعلان کرتا ہے کہ یہ ''فقہ کا اصولی مسئلہ ہے۔''(۹)

شناخت سازی میں شرر کی وہ کوششیں بھی شامل ہیں جن میں اپنے کردار کی تعمیر میں وہ خاص گروہ کی علامتوں اور اعمال کو بیانیے میں درج کرتے ہیں۔ یہ ناول نگار کے فنی شعور اور صوابدید پر ہوتا ہے کہ وہ کردار کے کس رخ کو نمایاں کرتا ہے۔ اس ضمن میں وہ کردار کی تعمیر کرتے ہوئے اس کی عادات، خصائل، صفات کا ایک انتخاب پیش کرتا ہے اور اس کے افعال کی تعبیر بھی کرتا ہے۔ شرر نے بادشاہ اور ملکہ دونوں کی تعمیر میں اور باتوں کے علاوہ عبادات کا خصوصی خیال رکھا ہے۔ بادشاہ اور ملکہ دونوں نماز کے پابند دکھائے گئے ہیں۔ 'صبح کو نماز سے فارغ ہوتے ہی'؛ 'میری پانچوں وقتوں کی نماز'(۱۰) پہلا بیان بادشاہ کے بارے اور دوسرا ملکہ تاج محل کے مکالمے سے لیا گیا ہے۔ عبادات کے علاوہ ان کی فکر مندی (Concerns) میں بھی مرکز مذہب کو ہی دکھایا گیا ہے۔ بادشاہ یا ملکہ کوئی بھی کام کرتے ہیں یا فیصلہ لیتے ہیں تو ان کے پیشِ نظر یہی بات رہتی ہے کہ اس سے مذہب کو کیا فائدہ ہوگا یا خدانخواستہ اسے کسی نقصان کا اندیشہ تو نہیں۔

ناول کی قرات اگر تعمیریت کی روشنی میں کریں تو ان کاوشوں پر نظر جاتی ہے جن کے ذریعے شرر نے اپنے کرداروں کو ایک خاص شناخت دی ہے۔ یہ عمل امتیاز سازی (Differentiation) پر مبنی ہے جس میں کرداروں کی انفرادیت تو قائم ہو ہی رہی ہے، ان کے مابین مشترک خصوصیات کو مجتمع کر کے شرر نے گروہی شناخت کو بھی نمایاں کیا ہے۔ یوں کردار کی انفرادیت افتراق اور اشتراک پر قائم ہو رہی ہے۔ افتراق دیگر گروہوں سے امتیاز نمایاں کرنے کے لیے اور اشتراک کے ذریعے اپنے گروہ کے حامل افراد کے درمیان ہم آہنگی کا احساس پیدا

کرنا۔ یہ امتیاز قومی شناخت کی تعمیر میں معاون ہے۔ ایسی امتیاز سازی سے استعماری کلامیے کو فروغ ملا جس میں تاریخ کو گروہی شناخت میں تقسیم کر کے دیکھا گیا۔ برِعظیم کی تاریخ کا مطالعہ استعماریوں نے ہندو، مسلم اور برطانوی ادوار میں تقسیم کر کے کیا۔(۱۱) شرر کا ناول بھی تاریخ کو اسی کلامیے کے اندر تعمیر کر رہا ہے، جہاں کرداروں کی منفرد شناخت ابھارنے کے لیے انھیں مختلف زمروں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ان کے اعمال، خیالات اور طرزِ احساس کے بیان میں صرف ان خصوصی مظاہر کو جگہ دی گئی ہے جو اس گروہی شناخت کی تعمیر میں معاون ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

1. Jean E. Rosenfeld, ed., Terrorism, Identity and Legitimacy: The four Waves Theory and Political Violance (London & New York: Routledge, 2011), p168-9.(شناخت کی تعمیری تفہیم کے لیے اس کتاب سے مدد لی گئی ہے)

۲۔ اودھ کی مردم شماری رپورٹ (۱۸۶۹ء) میں آبادی کے اندراج اور اسے مختلف زمروں میں تقسیم کرنے کے لیے یہ درجہ بندی اختیار کی گئی:

i۔ یورپی یوریشائی، مقامی عیسائی
ii۔ مسلمانوں کی اعلیٰ ذاتیں
iii۔ مسلمان (اعلیٰ ہندو ذاتوں سے اسلام قبول کرنے والے)
iv۔ مسلمانوں کی نچلی ذاتیں
v۔ ہندوؤں کی اعلیٰ ذاتیں
vi۔ ہندوؤں کی کمتر ذاتیں
vii۔ جانگلی
viii۔ بھکاری
ix۔ متفرق

Charles J. Williams, (Compilor), Census of Oudh, Vol.1, General Report (Lucknow: Oudh Government Press, 1869), p32-5.

اس درجہ بندی میں افراد کو مذہبی اور نسلی دو بڑی بنیادوں پر مختلف زمروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہی زمرے شرر کے ناول میں بھی ملتے ہیں۔ ان کے یہاں لوگ یا مذہب کی بنا پر پہچانے جاتے ہیں یا نسل کے اعتبار سے۔

۳۔ عبدالحلیم شرر، ''مینابازار''، دل گداز پریس، لکھنؤ، ۱۹۲۵ء، ص۶۔

4. For Details Please See: M. Ather Ali; "The Punjab between the Thirteenth and Fifteenth Centuries" in Mughal India: Studies in Polity, Ideas, Society and Culture (New Delhi: Oxford University Press, 2006), p49-55.
5. Cf. David Gilmartin and Bruce B. Lawrence, eds. Beyond Turk and Hindu: Rethinking Religious Identities in Islamicate South Asia (Gainesville: University Press of Florida, 2000)

۶۔ عبدالحلیم شرر، ''مینا بازار''، ص ۷-۶۔

۷۔ مسلم اشراف کی خواتین کو گھر پر ہی تعلیم حاصل کرنا چاہیے، اس کی مثال نذیر احمد کے ناول مراۃ العروس (۱۸۶۹ء) میں ملتی ہی جہاں اصغری اشراف زادیوں کے لیے گھر پر مدرسہ کھولتی ہے۔ کچھ ایسی ہی تصویر افسانۂ نادر جہاں (۱۸۹۴ء) میں نظر آتی ہے جس کی مرکزی کردار گھر کی چار دیواری کے اندر تعلیم حاصل کرتی ہے اور محلے کی اشراف زادیوں کو گھر پر پڑھاتی ہے۔

۸۔ شرر اوران کے رسالے دل گداز میں اٹھنے والے مباحث اور شرر کی تحریروں کے ذریعے بننے والی 'اسلامی پبلک' کی تشکیل کے ضمن میں دیکھیے:

Christopher Ryan Perkins, "Partitioning History: The Creation of an Islamic Publik in late Colonial India, C. 1880-1920" (PhD Diss., University of Pennsylvania, 2011).

عوامی منطقے (Public Sphere) کی یورپ میں تشکیل کے لیے ملاحظہ ہو:

Jurgen Habermas, The Structural Transformation of the Public Sphere: An Inquiry into a Category of Bourgeois Society, Trans., Thomas Burger & Frederick Lawrence (London: Polity Press, 1989)

۹۔ عبدالحلیم شرر، ''مینا بازار''، ص ۸-۲۷۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۵، ۱۳۔

۱۱۔ یہ بات دل چسپی کی حامل ہے کہ استعماریوں نے برِعظیم کی تاریخ کے اپنے سے ماقبل ادوار کو تو مذہبی (ہندو دور، مسلم دور) بنیادوں پر تعمیر کیا ہے تاہم اپنے دور کو قومی (برطانوی) شناخت دی ہے۔ یوں یہ کلامیہ ___ ہر کلامیے کی طرح ___ اپنے ہی بنائے ہوئے اصولوں سے منحرف ہوتا ہے۔